جلد نمبر ۳

تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ

تحقیق عیسٰے کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ اس کو بھی پیدا کیا مٹی سے پھر فرمایا اس کو ہو جا

قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

پس وہ ہو گیا حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں سے نہ بنیں

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پس اگر جھگڑیں وہ اس بارے میں بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا ہے تو فرما دیجئے آؤ بلالیں ہم اپنے

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ

بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

دعا مانگیں اور مقرر کریں اللہ کی لعنت جھوٹوں پر

كُن فَيَكُونُ :- ظاہر بیان کے لحاظ سے درست تو اس طرح ہوتا کہ کہا جاتا كُن فَكَانَ ۔ لیکن ظاہراً اس کو حکایت حال ماضی قرار دیکر يَكُونَ استعمال کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ جب بھی کسی شئی کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے ارشادِ كُن سے شئی فَيَكُونَ کی منزل تک پہنچ جاتی ہے پس حضرت آدم کو پیدا کرنے کے لئے بھی اُس نے ارشاد كُن کیا اور وہ فَيَكُونَ کی منزل تک پہنچ گیا ۔

حضرت آدم کی مثال دے کر حضرت عیسٰے کی بغیر باپ کی پیدائش کے متعلق نصرانیوں کے شبہ کا حل کرنا مطلوب ہے کہ خالق حکیم کسی شئی کی تخلیق میں اسباب و علل اور مواد کا محتاج نہیں اور نہ مرورِ زمانہ اور تخلل وقت کا حاجت مند ہے جس طرح وہ آدم کو تدریجی طریق سے مستثنٰے قرار دے کر فوریت تکوینیہ سے خلق فرما سکتا ہے و حضرت عیسٰے کو بھی اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہے ۔ اور اس نے ایسا ہی کیا ہے پس عیسٰے اس کا بندہ ہے خدا نہیں ۔

تفسیر آیت مباہلہ

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۔ حضرت عیسٰے کی الوہیت کی نفی کے لئے گذشتہ آیت بیان خداوندی ہونے کے علاوہ ایک ناقابل تردید برہان ساطع اور دلیل قاطع بھی تھی اسی لئے اس کو دوسری آیت میں علم سے تعبیر فرمارہا ہے یعنی اگر وہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اس کی برہانیت یقین و اطمینان کے لئے بذاتِ خود کافی تھی پس مِنۢ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فرمایا اور مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّا نہیں فرمایا ۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

تحقیق یہ (جو سابق میں عیسٰے کے متعلق ذکر ہوا) بیان حق ہے اور کوئی بھی معبود نہیں سوائے خدا کے اور تحقیق اللہ ہی غالب

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع۱۴

حکمت والا ہے پس اگر وہ روگردانی کریں تو خدا فسادیوں کو جاننے والا ہے

فَقُلْ تَعَالَوْا۔ گویا حق کے اثبات کے لئے دو طریقے تھے۔ ایک دلیل و برہان کا اور دوسرا استجابت دعا کا چونکہ پہلا طریقہ استعمال کرنے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ اپنے ضد پر اڑے ہوئے ہیں لہٰذا دوسرے طریقہ کی ان کو دعوت دی گئی اور وہ یہ کہ آپس میں مباہلہ کرلیں یعنی ایک دوسرے کے لئے ہلاکت کی اللہ سے دعا مانگیں پس جو جھوٹا ہوگا۔ ہلاک و برباد ہوگا۔ مباہلہ کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔

تَعَالَوْا نَدْعُ۔ اصل مباہلہ میں طرفین سے ایک ایک آدمی کافی تھا لیکن اپنے دعویٰ پر انتہائی اطمینان و وثوق ثابت کرنے کے لئے ابناء۔ نساء۔ اور انفس کو دعائے ہلاکت میں شریک کیا گیا۔ کیونکہ انسان بعض اوقات اپنے ضد پر اڑ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ لیکن بال بچوں اور اعزاء و اقرباء کو کسی صورت میں معرض ہلاکت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا جیسا کہ فطری محبت کا تقاضا ہے

اس آیت میں غور کرنے سے چند چیزیں بخوبی سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) آیت کا لب و لہجہ بتلاتا ہے کہ ابناء۔ نساء اور انفس سے مراد وہ نفوس ہیں جو اصل دعویٰ میں مدعی کے ساتھ شریک ہوں۔ صرف طرفین سے کثرت کی خاطر مزید بھرتی کر کے رطب و یابس کو جمع کر کے لانا مقصود نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ کی طرف سے جو زن و مرد اس میں شرکت کرتے وہ صرف وہی ہو سکتے تھے جو بدل و جان حضرت عیسٰے کی الوہیت کے مدعی تھے تاکہ اس بارہ میں اپنی جانوں پر کھیل جانا آسان سمجھتے، ناقص الیقین اور مذبذب مزاج لوگوں کا مباہلہ میں قدم رکھنا قطعاً معقول نہیں تھا اور اس طرف سے جو زن و مرد نصاریٰ کے مقابلہ میں جائے وہ وہی ہونا چاہیئے جس کو حضرت عیسٰے کے عبد اور مخلوق خدا ہونے کا یقین کامل ہو اور رسالتمآبؐ کے ساتھ دعوئے مذکورہ میں شریک ہو اور دعوت اسلام میں بھی ان کے ساتھ حصہ دار ہو ورنہ بزور شمشیر کلمۂ اسلام کو منہ پر جاری کرنے والوں کے ساتھ لے جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ :۔

(۱) اطمینانِ قلب اور سکون خاطر کے بغیر مخلصانہ طور پر جھوٹے کے لئے ہلاکت کی دعا مانگنا نہایت مشکل ہے۔ ورنہ یہ خیال پیدا ہوگا کہ شاید میں خود جھوٹا ہوں تو پس کیسے دعا میں خلوص رہے گا۔ خلوص تب ہی ہو سکتا ہے جب اپنی طرف سے سو فیصدی یقین ہو نیز آیت کی ابتدا میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس علمی گفتگو اور عقلی دلیل کو تسلیم نہ کریں تو مباہلہ کا طریق اختیار کرلو۔ یعنی مباہلہ میں ساتھ جانے والے افراد کا دلیل و برہان کی ناکامی کے بعد ساتھ لے جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح دلیل دعوئے کو منوانے کے لئے تھی۔ یہ بھی اُسی دعوئے کو منوانے کے لئے میدان میں اترے ہیں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ صرف وہی ہستیاں ہی ساتھ

جا سکتی تھیں جو دعوتِ اسلام میں اور دعوائے عبدیت عیسٰیؑ میں جناب رسالتمآب کے ساتھ برابر کے شریک تھے چنانچہ آیت کے اختتام میں کَاذِبِیْنَ جمع کا صیغہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ رسولؐ کے ہمراہ جانے والے صَادِقِیْنَ تھے اگر دعوتِ نصاریٰ کے علمبردار اور مدعی صرف آپ ہی ہوتے اور ساتھ جانے والے افراد کی حیثیت گواہ کی سی ہوتی تو کَاذِبِیْنَ جمع نہ لایا گیا ہوتا کیونکہ نصاریٰ کی نگاہوں میں اگر معاذ اللہ کَاذِبِیْنَ تھے تو سب کے سب جانیوالے تھے اور خدا کے علم میں اگر صَادِقِیْنَ تھے تو بھی سب جانے والے تھے تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کی نظروں میں بھی یہ سب کے سب دعوت دہندہ اور مدعی عبدیت عیسٰےؑ تھے اور عند اللہ بھی یہ سارے جناب رسالتمآبؐ کے شریک کار تھے۔

(۲) اَبْنَآءَ - نِسَآءَ اور اَنْفُسَ یہ تینوں صیغے جمع ہیں اور مضاف بھی اور ظاہر ہے کہ جمع مضاف سے استغراق مستفاد ہوا کرتا ہے گویا معنی یہ ہوا کہ اپنے تمام بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو لاؤ۔ لیکن چونکہ لانا صرف انہی کو تھا جو دعوتِ مذکورہ اور دعوائے عبدیت عیسٰےؑ میں شریکِ رسول تھے تو مقصد یہ ہوا کہ تمام وہ بیٹے وہ عورتیں اور وہ نفس جو اس مدعا میں بحیثیت مدعی کے ہی بلائے جائیں پس نظرِ انتخابِ رسالت میں اس معیار کے لحاظ سے بیٹوں میں سے سوائے حسنینؑ کے کوئی بچہ اس قابل نہ تھا اور عورتوں میں سے سوائے مخدومۂ کائنات خاتونِ جنت کے اور کوئی نہ تھی اور مردوں میں سے سوائے علیؑ کے اور کوئی نہ تھا۔

سوال:- رسولِ کریم کے دیگر جلیل القدر اور اکابر صحابہ جو اس وقت موجود تھے اسی طرح زوجاتِ محترمات بھی سب کے سب مذکورہ دعویٰ اور دعوت میں شریکِ رسولؐ تھے اور ان کو پُورا پُورا اطمینان حاصل تھا اور میدانِ مباہلہ میں جانے کے اہل تھے لیکن چونکہ وہاں صرف بطورِ نمونہ کے مختصر افراد کو لے جانا تھا۔ اس لئے جناب رسالتمآبؐ نے صرف حسنینؑ اور فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کے لے جانے پر اکتفا کر لی۔

جواب:- ابناء، نساء، والنفس کی اضافت جو مفید استغراق ہے نمونہ کے طور پر چند افراد کو ہمراہ لے جانے کے خلاف ہے اور اگر بالفعل استغراق نہ مانا جائے تب بھی جمع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور نمونہ کے لئے بھی لے جانا تھا تو کم از کم اتنے افراد کا انتخاب ہر صنف سے ضروری تھا کہ اقل جمع تو صادق آسکتی پس اس صورت میں ابناء کے لئے تین اور نساء کے لئے بھی تین البتہ النفس کے لئے صرف ایک اور بڑھانا پڑتا کیونکہ آپ خود بنفسِ نفیس مل کر تین ہو جاتے پس اس طرح نہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ اس میدان میں سوائے ان ہستیوں کے جانے کا کوئی دوسرا اہل نہیں تھا؟

(۳) نصاریٰ نجران کی تفہیم کے لئے جب قرآن کی پیش کردہ دلیل و برہان کارگر نہ ہوئی تو میدانِ مباہلہ کی تشکیل دیتے ہوئے عترتِ طاہرہ کو پیغمبر کا ساتھ لے جا کر حق و باطل کے درمیان امتیازی نشان قائم کرنا تا قیامت امتِ اسلامیہ کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ جس طرح نصرانیوں کے مقابلہ میں یہ لوگ رسولؐ کے شریکِ کار ہیں اور صرف قرآنی ادلہ پر اکتفا نہیں کی جا سکتی اسی طرح تا قیامت اہل اسلام کے لئے بھی ان کی قیادت ضروری ہے اور صرف کتاب اللہ سے تمسک پکڑ کر ان کو نظر انداز

کرنا یقیناً نادرست ہے۔

(۴) چونکہ قرآن مجید میں جہاں نساء کو ابناء کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے وہاں اس سے مراد بیٹیاں ہیں۔ لہذا بعید نہیں کہ نساء سے مراد یہاں بیٹیاں ہوں۔ پس اس کی مصداق صرف خاتونِ جنت ہی ہوگی اور اگر نساء کے معنی میں تعمیم کی جائے۔ تو عورت کی تین اہم حیثیات میں سے خاتونِ جنت ہر طرح مصداق آیت ہے کیونکہ دعوتِ مباہلہ میں چار جانے والے مردوں میں سے دو کی ماں ہے اور ایک کی زوجہ ہے اور ایک کی دختر ہے کیونکہ نساء کا لفظ امرأۃ کی جمع ہے۔ خلافِ قیاس۔ اور اس کا معنی ہے عورت اور عورت کے لئے رشتہ کے اہم پہلو صرف یہی تین ہیں کہ زندگی میں قدم رکھتے ہی پہلے پہل بیٹی ہوتی ہے پھر زوجہ بنتی ہے اور پھر ماں بن جاتی ہے۔

(۵) ابناء جمع ہے ابن کی۔ اور آیت مجیدہ میں ابناء کو ہی مباہلہ میں شریک قرار دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ اصطلاح قرآن میں لڑکی کی اولاد کو بھی ابن کہنا مبنی بر حقیقت ہے پس حسنین شریفین جناب رسالتمآبؐ کے بفرمانِ قرآن فرزند ثابت ہوئے۔

(۶) انفس جمع ہے نفس کی، قرآنی الفاظ بتلاتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کو اس میدان اور اس دعوت میں اُن مردوں کو شریک کرنے کا حکم تھا۔ جن کی رسولؐ کے ساتھ یگانگت اور یک جہتی اس طرح ہو جس طرح جسم سے نفس کی نسبت ہوا کرتی ہے اور وہ شخص ہی ساتھ جانے کا اہل ہو سکتا تھا جو رسولؐ کے لئے بمنزلہ نفس کے ہو۔ پس اس آیت کی رُو سے علیؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا ثابت ہوا اور جمع کے صیغہ سے خطاب کے باوجود صرف حضرت علیؑ کا انتخاب اس امر کی دلیل ہے کہ صحابۂ رسول میں سے جانثاری اور وفاشعاری کے لحاظ سے دوسرا کوئی ایسا فرد موجود نہ تھا جس کو جناب رسالتمآبؐ اپنے نفس کی حیثیت سے مباہلہ میں لے جاتے پس یہی آیت حضرت علیؑ کی جملہ صحابہ بلکہ باقی تمام انبیاء سے بھی افضل ہونے کی نصِ صریح ہے کیونکہ نفس اور شے کا حکم ایک ہوا کرتا ہے تو جن لوگوں پر رسولؐ کی فضیلت ثابت ہوگی۔ انہی پر رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کی فضیلت بھی ثابت ہوگی اور اسی سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل بھی قطعی طور پہ ثابت ہو جاتی ہے اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمانا۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ جِسْمُكَ جِسْمِیْ۔ دَمُكَ دَمِیْ رُوْحُكَ رُوْحِیْ لفظ قرآن اَنْفُسَنَا کی تفسیر ہے۔

(۷) آیتِ مجیدہ میں پہلے ابناءنا کا ذکر تھا۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے بھی عمل کی صورت میں ان کو پہلے رکھا پس حضرت حسن کو انگلی سے اور حسینؑ کو گود میں اٹھا لیا اور اس کے بعد آیت میں نِسَآءَنَا کا ذکر تھا تو حضورؐ نے مقامِ عمل میں اپنے پیچھے خاتونِ جنت کو رکھا اور آیت میں آخر پہ اَنْفُسَنَا کی لفظ تھی لہذا مقامِ عمل میں سب سے پیچھے حضرت علیؑ تھے اگرچہ اس ترتیب کے عمل میں لانے کا امر نہیں تھا۔ تاہم جناب رسالتمآبؐ نے ظاہری مفہوم سے واقعی مصداق کی ترتیب کو اپنے عمل سے اسطرح منطبق کر کے دکھایا کہ کبھی کوئی فردِ آیت کے مصادیق کی تعیین و تطبیق میں ٹھوکر نہ کھانے پائے۔

(۸) جناب خاتونِ جنت کو درمیان میں رکھنے سے مقامِ عمل میں مخدومۂ کائنات کے پردہ کی اہمیت کو بھی واضح کرنے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے تاکہ اگر سامنے نصاریٰ نظر اٹھا کر اِدھر دیکھیں تو ان کے آگے رسالت کی نوری دیوار حائل ہو جائے

اور پیچھے سے مسلمان جاتے ہوئے دیکھیں تو اُن کے سامنے امامت کا پردہ آجائے اور عصمت مآب بی بی پر کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ سکے۔ حتیٰ کہ قدموں کے نشان بھی رسالت و امامت کے نقوشِ پا کے درمیان مستور ہو کر رہ جائیں۔

(۹) میدانِ مباہلہ میں اس طرف سے پانچوں بزرگواروں کا جانا اور مقابلہ میں نصاریٰ کا جزیہ منظور کرتے ہوئے مباہلہ سے ہٹ جانا اس امر کا کاشف ہے کہ پانچ ہستیوں کی صداقت کو وہ اُن کی پُر اطمینان روش اور ہمہ تن سکون پیش قدمی سے بھانپ گئے تھے اور مباہلہ کے بعد انہیں یقین تھا کہ اگر ایسا ہُوا تو موردِ عذاب ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے جزیہ منظور کرنے کے عمل سے ان پانچوں کی صداقت کا اعتراف کر لیا اور قرآن کی آیت نے اس پر حقیقت کی مہر ثبت کر دی۔

(۱۰) اس پورے واقعہ اور قرآنی فرمان میں تدبر کرنے سے انسان بخوبی و بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں آنے والے جھوٹے اور مستحقِ لعنت تھے اور قصہ کا تعلق اگرچہ صرف ایک واقعہ سے تھا۔ لیکن قرآن کا پُورے اہتمام کے ساتھ ان کی صداقت اور ان کے مدمقابل کے جھوٹ کا اعلان کرنا اس امر کا کاشف ہے کہ اُن کی صداقت صرف اسی جزوی واقعہ میں منحصر نہیں تھی اور ان کا دعوتِ اسلام اور دعوائے عبدیت عیسیٰ میں جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ شریک کار ہونا بھی اسی کا شاہد ہے ورنہ اگر اُن میں صداقت کا وجود صرف اسی دن کے لئے ہوتا تو یقیناً ان کا انتخاب اس قسم کے اہم مقابلہ کے لئے ناموزوں ہوتا۔ پس معلوم ہُوا کہ یہ واقعہ صرف ان کی صداقت کے اعلان کا بہانہ تھا۔ ورنہ تمام صحابۂ رسالتمآبؐ میں سے کوئی آدمی ایسا موجود نہ تھا جو اس فضیلت میں ان کے ہم پلّہ ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا تو آپ اس انتخاب میں یقیناً اس کو نظر انداز نہ فرماتے اس لئے کہ آیت کے الفاظ ابناء، نساء اور انفس کے جمع اور استغراق کے وسیع الذیل الفاظ زیادہ سے زیادہ قابلِ انتخاب افراد کو اپنے دامن میں جگہ دینے کو تیار تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی نظرِ انتخاب میں بھی بُخل نہ تھا بلکہ وہ خلقِ عظیم کا مالک رسولؐ کشادہ روئی سے ساتھ ملانے کو تیار ہو جاتا۔ بشرطیکہ کوئی اِدھر آنے کی صلاحیت رکھ پاتا۔ پس ثابت ہُوا کہ اس معیار پر پُورے اترنے والے صرف یہی تھے جن کو لے جایا گیا تو اس واقعہ میں اُن کا انتخاب اور جھنڈا اور ان کے مقابل والوں کو جھوٹے کی سند کا ملنا تا قیامت ایک دستور العمل ہے کہ جب بھی یہ لوگ کسی میدان میں پہنچیں اور حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو جاوے تو معیار یہی ہے کہ جس طرف یہ لوگ ہوں گے صداقت اور حق اسی جانب ہو گا اور ان کی مقابل جماعت کاذب و باطل پرست ہو گی۔

(۱۱) چونکہ حسنین شریفینؑ باوجود کم سنی کے مباہلہ کے پروگرام میں شامل اور خداوند کریم کی جانب سے مدعو تھے۔ لہٰذا یہ آیت اُن کے کمالِ عقل پر نصِ قطعی ہے کیونکہ ایسے پروگراموں میں ناقص العقل کی شرکت یقیناً ناموزوں ہے اور جناب بتولِ معظمہ کی شمولیت اور ان کا مدعو ہونا بھی ان کے کمالِ عقل کی برہانِ قطعی ہے یعنی جس طرح بچپنہ حسنینؑ کے کمالِ عقل سے مانع نہیں اسی طرح نسوانیت جنابِ زہراؑ کے کمال میں مخل نہیں اور یہی اس خانوادۂ عصمت کا امت کے عام مردوں اور عورتوں سے امتیازی نشان ہے

واقعہ مباہلہ کے متعلق روایات

بنا بر مشہور ۲۴ ذوالحجہ سنہ ۹ھ کو بعد از فتح مکہ یہ واقعہ پیش آیا کیونکہ آپ نے اطراف میں دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے چنانچہ ایک خط نصاریٰ نجران کو بھی

لکھا پس تحقیق کے لئے ان کا وفد مدینہ میں آیا اور انہوں نے پہلے مناظرہ کیا اور بعد میں مباہلہ کا فیصلہ ہوا۔

(۱) بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نصاریٰ نجران کا وفد جب جناب رسالتمآب کے پاس پہنچا تو ان کے سردار تین شخص تھے۔ اہتم، عاقب اور سید۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے ناقوس بجائے اور پھر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام کو مسجد رسولؐ میں اُن کا یہ فعل ناگوار گزرا اور بارگاہ رسالت میں دبی زبان سے عرض بھی کی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا۔ کہ رہنے دیجئے۔ جب وہ فارغ ہو چکے تو آپ کے قریب آکر کہنے لگے۔ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ فرمایا۔ اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی طرف اور یہ کہ حضرت عیسےٰ عبد خدا اور مخلوق خدا تھے، کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہے تو فرمائیے اُن کا باپ کون تھا؟ پس وحی نازل ہوئی کہ اُن سے سوال کیجئے۔ تمہارا آدم کے متعلق کیا خیال ہے کیا وہ عبدِ خدا تھا۔ کھاتا پیتا تھا اور نکاح وغیرہ کا محتاج تھا؟ تو آپ نے اُن سے یہی سوالات کئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا۔ کہ بتائیے:۔ اس کا باپ کون تھا۔ پس وہ شرمسار ہو کر لاجواب ہو گئے۔ چنانچہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ سے لے کر آیتِ مباہلہ کے آخر تک یہ آیتیں اتریں۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ مباہلہ کر لو۔ اگر میں سچا ہوں گا تو تم پر خدا کی لعنت اور عذاب نازل ہوگا اور اگر تم سچے ہوگے تو مجھ پر خدا کی لعنت نازل ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ واقعی یہ منصفانہ فیصلہ ہے اور مباہلہ کا وعدہ کر کے چلے گئے تو اُن کے رؤسا سید۔ عاقب اور اہتم نے کہا کہ اگر وہ مباہلہ کرنے کے لئے اپنی قوم کو لائے۔ تو ہم مباہلہ کریں گے کیونکہ وہ نبی نہ ہوگا اور اگر وہ اپنی خاص اہلبیت کو ہمراہ لاکر مباہلہ کرے گا تو ہم مباہلہ نہ کریں گے کیونکہ اس کا اپنی اہلبیت کو ساتھ لانا اس کی صداقت کی دلیل ہے جب صبح ہوئی تو آپؐ نے حضرت امیرالمومنین اور جناب فاطمہ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کو ساتھ لیا۔ نصاریٰ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان کو جواب دیا گیا کہ ایک اس کا چچازاد وصی اور داماد علی بن ابی طالب ہے اور ایک اس شہزادی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہے اور دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ علیہما السلام ہیں پس یہ حضرات بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کی مرضی کے تابع ہیں۔ ہمیں مباہلہ سے معافی دیجئے پس آپؐ نے جزیہ پر اُن سے صلح کر لی اور وہ چلے گئے۔

(۲) عیون الاخبار سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہارون نے دریافت کیا تھا کہ تم کیسے ذریت پیغمبر کہلاتے ہو حالانکہ ہمارے پیغمبر کی نسل نہیں ہے کیونکہ نسل بیٹوں سے ہوا کرتی ہے نہ کہ بیٹیوں سے۔ اور تم بیٹی کی اولاد ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے قرابت اور قبر رسولؐ اور صاحب قبر کا واسطہ دے کر اس سوال کے جواب سے معافی چاہتا ہوں۔ تو ہارون نے جواب دیا کہ مجھے جہانتک خبر پہنچی ہے آپ اولاد علیؑ میں سردار اور ان کے امام وقت ہیں لہذا میرے ساتھ اس مسئلہ میں دلیل و برہان سے بات فرمائیے اور میں جو کچھ آپ سے دریافت کر رہا ہوں۔ اس کی ہرگز معافی نہ دوں گا۔ جب تک آپ قرآن مجید سے اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دیں اور اے اولادِ علیؑ ہم تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کی کوئی چیز تم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس کا کوئی حرف نہیں جس کی تاویل تمہارے پاس نہ ہو اور تم اس کے احتجاج میں پیش کرتے ہو۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ

شیعی ہو اور دیگر تمام علماء کے قیاسیات اور خیالات سے تم استغنا ظاہر کرتے ہو؟
آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا:۔ اچھا مجھے اجازت دیجئے۔ تاکہ کچھ کہوں۔ ہارون نے کہا۔ اجازت ہے بیان کیجئے۔
فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ الخ

اور اس کی ذرّیت سے داؤد، سلیمانؑ اور ایوبؑ یوسفؑ موسیٰؑ اور ہاروںؑ ہیں۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ (بھی ان کی ذرّیت سے تھے) الخ

پس میں نے دریافت کیا بتائیے:۔ حضرت عیسٰےؑ کے باپ کون تھے:۔ ہارون نے جواب دیا:۔ کہ عیسٰےؑ کا باپ نہیں تھا۔ پس میں نے کہا:۔ کہ خدا نے حضرت عیسٰےؑ کو ماں کی وجہ سے ذرّیت انبیاء میں داخل فرمایا اور اسی طرح ہمیں بھی ماں کے ذریعے سے ذرّیت پیغمبر قرار دیا۔

پھر میں نے کہا:۔ کچھ اور بھی کہوں؟ اُس نے کہا۔ کہ ہاں! پس میں نے آیت مباہلہ تلاوت کی اور کہا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جناب رسالتمآبؐ نے نصاریٰ کے مباہلہ کے دن علی ابن ابی طالبؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے علاوہ کسی اور کو بھی دعوت دی ہو اور آیت میں اَبْنَاءَنَا سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ نِسَاءَنَا سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں اور اَنْفُسَنَا سے مراد جناب علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔

(۲) امام علی رضا علیہ السلام سے مامون نے جو سوالات کئے تھے من جملہ اُن کے ایک یہ بھی تھا۔ کہ مامون نے دریافت کیا۔ کہ آپ کے جد پاک حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی خلافت پر دلیل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: آیت اَنْفُسَنَا:۔ مامون نے کہا۔ ٹھیک ہے بشرطیکہ نِسَاءَنَا کا لفظ نہ ہو، آپ نے فرمایا۔ ہاں اگر اَبْنَاءَنَا نہ ہو۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ ما الدلیل علیٰ خلافۃ جدك علی بن ابی طالب؟ قال آیۃ انفسنا قال لولا نساءنا قال لولا ابناءنا۔

اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب مامون نے حضرت علی کی خلافت کی دلیل طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ اَنْفُسَنَا کی آیت یعنی آیت مباہلہ۔ کیونکہ اس آیت میں علی کو نفس رسول کہا گیا ہے اور علیؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا استحقاق خلافت کے لئے کافی ہے کیونکہ جن پر رسولؐ کو افضلیت حاصل ہے ان پر نفسِ رسولؐ کو بھی افضلیت حاصل ہوگی اور شیئ اور نفس شیئ کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے اس پر مامون نے اعتراض کیا کہ لَولا نِسَاءَنَا یعنی اَنْفُسَنَا سے حضرت علیؑ کا نفسِ رسولؐ

Presented by www.ziaraat.com

ہونا ثابت نہیں۔ کیونکہ یہاں انفس سے مراد مطلق مرد ہیں اور حضرت علیؑ اُن میں ایک فرد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں خدا نے نِسَاءَنَا کو ذکر فرمایا ہے اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انفس سے مراد مرد ہیں۔ ہاں اگر نِسَاءَنَا کی لفظ نہ ہوتی تو علی کا نفسِ رسولؐ ہونا اس آیت سے سمجھا جا سکتا تھا۔ آپ نے اس کی تردید میں فرمایا کَوْلَا اَبْنَاءَنَا یعنی اگر نِسَاءَنَا کے قرینہ سے اَنْفُسَنَا کا معنی مطلق مرد ہو تو اَبْنَاءَنَا کیوں ذکر کیا گیا یہ بھی تو مردوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ نِسَاءَنَا کے مقابلہ میں اگر اَبْنَاءَنَا کا ذکر نہ ہوتا تو نِسَاءَنَا سے مراد عورتیں اور ان کے مقابلہ میں انفس سے مراد مرد لئے جا سکتے تھے لیکن جب ان کا مقابلہ اَبْنَاء سے ہو تو باصطلاح قرآن نِسَاءَ سے مراد لڑکیاں ہو جایا کرتی ہیں لہذا انفس اپنے معنی حقیقی پر رہتے ہوئے حضرت علیؑ کے فضیلتِ مذکورہ کے اثبات کا موجب ہو جائے گا۔

اور ممکن ہے کہ مراد یہ ہو۔ کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے چونکہ اَنْفُسَنَا سے حضرت علیؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا ثابت کر کے ان کا استحقاقِ خلافت۔ بیان فرمایا۔ تو مامون نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؑ کو نفسِ رسولؐ کہنے میں ایک خرابی لازم آتی ہے اور وہ یہ کہ خاتونِ جنت حضرت علیؑ کی زوجہ ہے اور رسول کی دختر ہے پس علیؑ نفسِ رسولؐ کیسے ہو سکتے تھے جبکہ وہ رسولؐ کی شہزادی کے شوہر ہیں تو آپ نے اس کے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ حسنین شریفینؑ کو جب خدا نے رسولؐ کے بیٹے قرار دیا تو علی نفسِ رسولؐ ثابت ہوئے کیوں کہ علیؑ کے بیٹوں کو خدا رسولؐ کے بیٹے فرما رہا ہے۔ گویا معنوی طور پر حضرت علیؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا ظاہری رشتہ سے مانع نہیں ہو سکتا۔

(۴) اہلسنت کی تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے جب قوم نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو نصاریٰ نے کہا۔ کہ ہم سوچ کر جواب دیں گے جب علیحدہ مجلسِ مشاورت قائم ہوئی تو انہوں نے مل جُل کر عاقب سے کہا۔ جو اُن کا صاحب رائے تھا۔ عبدالمسیح (یہ اس کا لقب ہے) تیرا کیا مشورہ ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ اے نصرانیو! خدا کی قسم تمہیں معلوم تو ہے ہی کہ حضرت محمد مصطفےٰ نبی مرسل ہے اور اللہ کی جانب سے بھیجا ہُوا ہے اور خدا کی قسم کبھی کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کی جرأت نہیں کی مگر یہ کہ اس کا پُوری طرح ستیاناس ہو گیا۔ ان کے چھوٹے بڑے سب فنا ہو گئے اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ ہاں اگر تم اپنے مذہب کے خیر خواہ ہو اور اسی دین پر رہنے کے متمنی ہو تو چپ چاپ واپس جانے میں اپنی خیر سمجھو؟

پس جب صبح ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے حسینؑ کو گود میں لیا اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑا اور جناب فاطمہ ان کے پیچھے روانہ ہوئیں اور حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے پیچھے تھے اور آپ ان کو فرما رہے تھے کہ دیکھنا جب میں دعا مانگوں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے اسقف (پادری) نے نصاریٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ اگر وہ اللہ سے سوال کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ہٹ جائے گا۔ پس ان لوگوں سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور قیامت تک زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ پس انہوں نے یہ بات مانتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ ہماری

Presented by www.ziaraat.com

رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ چھوڑ دیں۔ آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو، تو پھر تمہیں اسلام قبول کرنا چاہیئے۔ پس مسلمانوں کے ساتھ تم نفع اور نقصان میں شریک ہو جاؤ گے تو انہوں نے اس بات سے انکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر جہاد کی دعوت دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے ساتھ لڑنے کی جرأت نہیں کرتے۔ البتہ ہم آپ سے مصالحت کے خواہشمند ہیں جس کی شرائط یہ ہوں گی (۱) آپ ہمیں نہ چھیڑیں گے (۲) ہمیں خوفزدہ بھی نہ کیا جائے گا بلکہ پُرامن زندگی گزارنے کی سہولت ہمیں دی جائے گی۔ (۳) ہمیں اپنے دین کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (۴) ہم ہر سال ۲ ہزار لباس ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار رجب میں اور تیس ۳۰ زرہ لوہے کی ادا کرتے رہیں گے۔ پس آپ نے منظور فرمالیا اور فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تحقیق موت اہل نجران پر اپنے پر کھول چکی تھی اور اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سؤر کی شکل میں مسخ ہو جاتے اور پوری وادی اُن کے لئے آگ سے بھڑک اٹھتی اور خدا نجران اور اہل نجران کو تباہ کر دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی زندہ نہ رہ سکتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام روئے زمین کے نصرانی لقمۂ اجل ہو جاتے۔

نوٹ:- اس روایت میں جزیہ کی شرائط میں ہے کہ دو ہزار لباس سالانہ ادا کریں گے ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ لیکن یہاں صفر سے مراد ماہ محرم ہے کیونکہ عرب لوگ ماہ محرم کو صفر اوّل اور ماہ صفر کو صفر ثانی کہا کرتے تھے جب اسلام نے صفر اوّل کے مہینے کو بھی حرمت والے مہینوں میں شمار کر دیا تو اس کا نام شہر اللہ المحرم پڑ گیا اور آہستہ آہستہ شہر اللہ کا لفظ بھی کٹ گیا اور صرف محرم مشہور ہو گیا۔

(۵) تفسیر درمنثور سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے اہل نجران کو دعوت نامہ لکھا کہ میں تم لوگوں کو اللہ کی عبادت اور اُسی کی ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر انکار کرو گے تو تمہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ جہاد کریں گے جب خط وہاں پہنچا اور وہاں کے اسقف نے خط پڑھا تو بہت گھبرایا اور خوفزدہ ہوا اور اہل نجران کے ایک شخص شرجیل ابن وداعہ کو بلا بھیجا اور اس کو یہ خط پڑھنے کے لئے دیا جب وہ خط پڑھ چکا تو اسقف نے اُس سے اس بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ شرجیل نے جواب دیا کہ تجھے معلوم ہے کہ خداوند کریم نے ابراہیمؑ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ذرّیت اسمٰعیل میں نبوّت کو قرار دوں گا تو ممکن ہے یہ وہی شخص ہو۔ بہرکیف مجھے نبوّت کے معاملہ میں دخل اندازی کی مجال نہیں البتہ کوئی دنیاداری کا مشورہ ہوتا تو اپنی رائے ظاہر کر سکتا اور تجھے کوئی صحیح نظریہ قائم کر کے مطلع کرتا۔ اس کے بعد اسقف نے اہل نجران کے ہر ہر شخص کو یہ خط پڑھوا کر اُن سے فرداً فرداً رائے طلب کی اور ہر ایک نے وہی جواب دیا جو شرجیل نے دیا تھا۔ اس کے بعد تمام کی رائے اس بات پر جم گئی۔ کہ شرجیل بن وداعہ اور عبداللہ بن شرجیل اور جبّار بن فیض کو معلومات حاصل کرنے کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔

پس یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضرت عیسٰیؑ کے متعلق بات چیت ہوئی جب انہوں نے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا سوال کیا

Presented by www.ziaraat.com

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ

فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ طرف ایسی بات کے جو یکساں طور پر (قابل قبول ہے) ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہ کسی کی عبادت

إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا

نہ کریں سوائے خدا کے اور نہ شریک کریں اس کے ساتھ کوئی چیز اور نہ پکڑے ہمارا بعض بعض کو اپنا رب

مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

بغیر اللہ کے پس اگر نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو۔ کہ ہم مسلمان ہیں

تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں کل جواب دوں گا چنانچہ اسی رات کو یہی آیات اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی سے لے کر آخر تک نازل ہوئیں بالآخر جب مباہلہ تک نوبت پہنچی اور صبح کو جناب رسالتمآبؐ مع ساتھیوں کے میدان مباہلہ میں پہنچے تو شرجیل نے ساتھیوں سے کہا کہ ان سے مباہلہ ہماری ہلاکت کا موجب ہو گا چونکہ اس کو اپنے ساتھیوں نے اپنی طرف سے کلی اختیار دے دیا تھا پس شرجیل نے جزیہ دینا منظور کر کے آپ سے مصالحت کر لی۔

بہر کیف نصاریٰ کے وفد کے ناموں میں اختلاف ہے لیکن تمام مفسرین کو اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے ہمراہ سوائے علی و بتول و حسنین علیہم السلام کے اور کوئی نہ تھا اور اس روایت کو شیعہ سنی مفسرین نے متفقہ طور پر لکھا ہے اور ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے روایت مباہلہ کو اکاون صحابہ و تابعین سے نقل کیا ہے کہ مصداق آیت حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور جو لوگ اس قسم کی متواترات سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس سوائے عناد و حسد و بغض و کینہ کے اور کچھ نہیں اور خدا خود ہی ان سے حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

رکوع ۱۵

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ :۔ اس آیت میں یہود و نصاریٰ ہر دو کو دعوت اسلام دی گئی ہے پہلے پہل ان کو کلمۂ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار کی دعوت دی گئی اور اس کے بعد صرف زبانی اقرار کو ناکافی قرار دیتے ہوئے ان کو عملی طور پر شرک سے منع کیا گیا۔ کیونکہ یہودی عزیر کو اور نصرانی مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر شرک کے مرتکب تھے۔ اعتقاد اور عبادت کی اصلاح کے بعد دوسرے معاملات میں ان کو اپنے احبار (ملاؤں) کی ربوبیت سے باز رہنے کی دعوت دی۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ اپنے احبار و رہبان کو انہوں نے اپنا رب مان لیا ہے تو عدی بن حاتم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ جس چیز کو وہ لوگ تمہارے اوپر حلال و حرام کر دیتے تھے

Presented by www.ziaraat.com